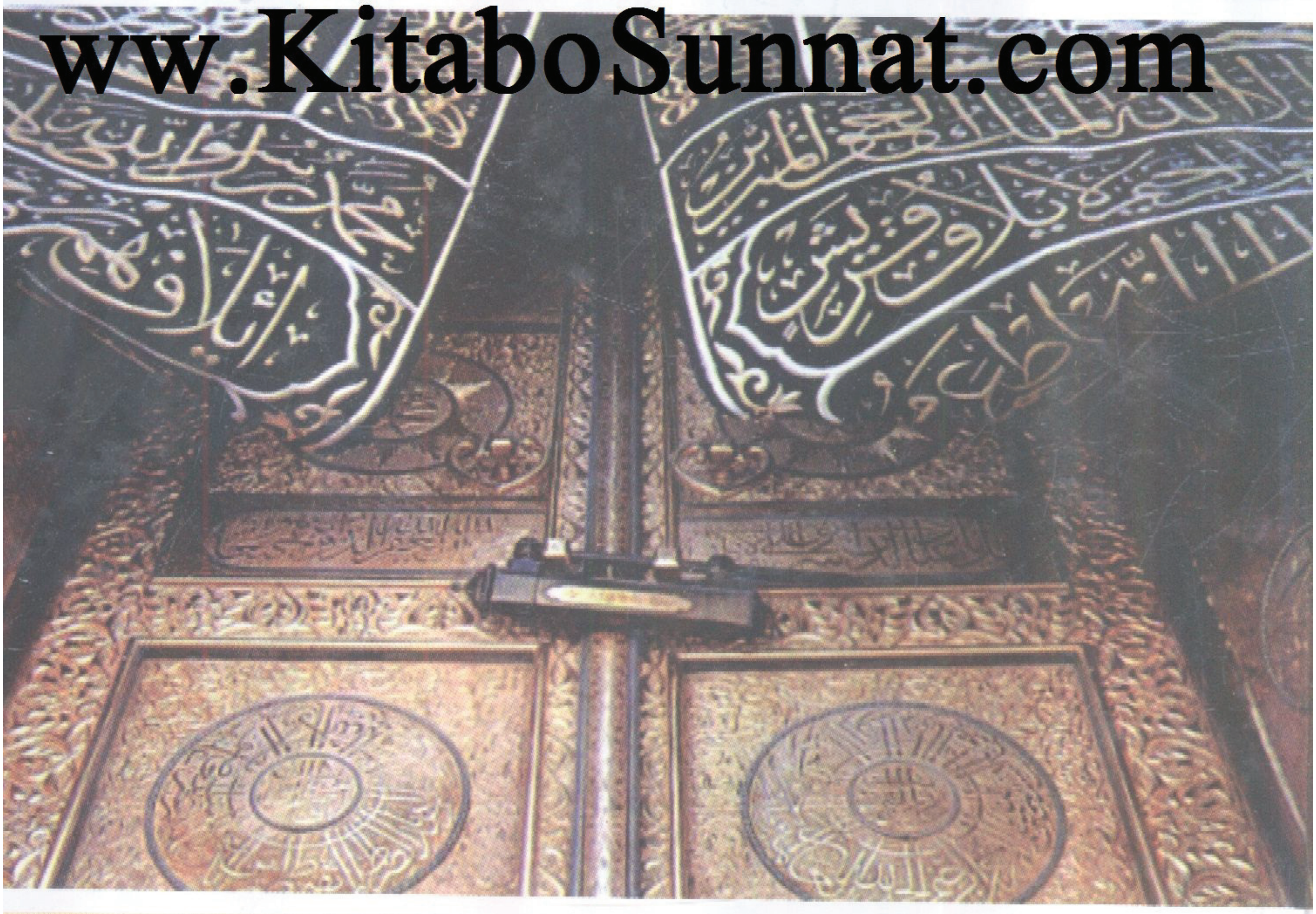
مجاہدِ اسلام

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح



تالیف

مولانا اسیر ادروی

حسب الارشاد

فضیلۃ الشیخ حضرت الاستاذ **ماجد مسعود** رحمت اللہ

مدیر: المدرستہ الصولتیہ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

پسند فرمودہ

مفتی **شیر محمد علوی** مدظلہ

سابق مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

مدیر: دارالافتاء جمیلی کرم آباد وحدت روڈ لاہور پاکستان

دارالکتاب

مجاہدِ اسلام

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح

تالیف

مولانا اسیر ادروی

حسب الارشاد

فضیلۃ الشیخ الاستاذ ماجد مسعود رحمت اللہ

مدیر: المدرسۃ الصولتیہ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

پسند فرمودہ

مفتی شیر محمد علوی مدظلہ

مدیر: دارالافتاء جمیلی کرم آباد وحدت روڈ لاہور پاکستان

دارالکتاب

کتاب ـــــــــــــ مجاهد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

تالیف ـــــــــــــ مولانا اسیر ادروی

ناشر ـــــــــــــ دارالکتاب
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور 92-042-37241200

اشاعت ـــــــــــــ مئی ۲۰۱۵

تعداد: ـــــــــــــ ۱۰۰۰

طابع ـــــــــــــ غلام مصطفیٰ

قیمت ـــــــــــــ روپے

نی مشیر ـــــــــــــ باہتمام

طاء الرحمٰن، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

حافظ محمد ندیم
0300-8099774
0321-4650131

باب (۳)

اسلامی ہند پر عیسائیت کی یلغار

مولانا کیرانوی جب تعلیم سے فارغ ہوئے اس وقت تک انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی عملی طور پر پورے ہندوستان پر قابض ہو چکی تھی اگر چہ برائے نام بنگال، لکھنؤ مرہٹواڑہ، حیدر آباد وغیرہ میں نوابیاں قائم تھیں لیکن ہر ایک کی نکیل ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں میں تھی، ہر ریاست میں ریزیڈنٹ ایک انگریز مع عملہ کے مقرر ہوتا تھا، اس کی مرضی کے بغیر نواب صاحب، راجے مہاراجے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے، مرکز میں حکومت دہلی کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں تھا، بادشاہ لال قلعہ کی چہار دیواری میں قید تھا، کمپنی نے بادشاہ کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا سرکاری آمدنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور بادشاہ سلامت کی لگام ہاتھ میں رکھنے کیلئے ایک انگریز ریزیڈنٹ لال قلعہ میں رہتا تھا، بادشاہ براہ راست کوئی حکم نافذ نہیں کر سکتا تھا جبتک انگریز ریزیڈنٹ اس کی اجازت نہ دیدے، اس طرح پورے ملک پر کمپنی کی حکومت تھی اب ایسٹ انڈیا کمپنی سوداگروں کی صرف ایک تنظیم نہیں رہی بلکہ وہ ہندوستان کی قسمت کی مالک بن چکی تھی۔

حکومت کو استحکام کیسے حاصل ہو: ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی حکمت عملی سے ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک پر قابض تو ہوگئی اب اس کے سامنے یہ سوال تھا کہ اس کی حکومت و اقتدار کو کیسے استحکام حاصل ہو؟ ہندوستان میں انگریزوں کی تعداد

محدود تھی، ٹامیوں کی فوج بھی بہت بڑی نہیں تھی، مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ فوج پر اعتبار کئے بغیر ملک کے نظم ونسق پر قابو نہیں پایا جا سکتا، اور ہندوستانیوں کی فوج پر مکمل اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں، کسی بھی وقت انگریز غیر ملکیوں کو اس سرزمین سے نکالنے کیلئے بغاوت ہو سکتی ہے، اسلئے کمپنی اس متوقع خطرے کا سدباب ضروری سمجھتی تھی۔

لندن پارلیمنٹ سے درخواست: ایسٹ انڈیا کے ڈائرکٹروں کی کونسل نے اس مسئلہ پر انتہائی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس ملک میں عیسائیت کی بھرپور اشاعت کی جائے اور یہاں کی ایک بڑی تعداد کو ترغیب وترہیب، عہدوں اور منصبوں کا لالچ دے کر، یا بزور شمشیر اگر عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو ان کے دلوں سے برطانوی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ مر جائے گا، حاکم ومحکوم کے ہم مذہب ہو جانے کی وجہ سے حکومت کو جو استحکام حاصل ہوگا وہ کسی دوسری صورت سے ممکن نہیں، یہ فیصلہ کر کے لندن پارلیمنٹ سے درخواست کی گئی کہ اس ملک میں حکومت کو مستحکم بنانے کیلئے یہاں عیسائیت کی تبلیغ ضروری ہے اس لئے جو حکام یہاں بھیجے جائیں ان کا مشنری ذہن ومزاج ہونا ضروری ہے، دوسری بات یہ کہ اس پسماندہ اور ناخواندہ ملک میں عیسائیت کے فروغ کے سلسلہ میں ہماری ہر طرح کی مدد کی جائے، اگر بالفرض طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آجائے تو انگلینڈ کی حکومت کا پورا تعاون ہم کو حاصل ہو، چونکہ ہندوستان پر تو براہ راست ایسٹ انڈیا کمپنی قابض وحاکم تھی اور پورا نظام حکومت کمپنی کے ڈائرکٹروں کے احکام کے مطابق قائم تھا لیکن یہ کمپنی برطانوی حکومت کی منظور کردہ تھی اس لئے انھیں حدود میں رہنے کی پابند تھی جو انگریزی حکومت کی پالیسی ہو۔

تجویز عملی صورت میں: انگلینڈ کی حکومت نے کمپنی کی تجویز منظور کرلی

اور عملی طور پر کاروائی کا آغاز بھی کر دیا گیا، کمپنی کے پاس اتنے افراد اور اس صلاحیت کے نہیں تھے کہ پورے ملک کے عوام کو کمپنی کے منشاء کے مطابق چلاسکیں، اسلئے لندن سے تربیت یافتہ افراد کھیپ کی کھیپ ہندوستان بھیجے گئے، جو تعلیم یافتہ بھی تھے اور مشنری ذہن ومزاج کے بھی۔

کمپنی نے پورے ہندوستان میں حکومت کے سارے عہدوں پر صرف انگریز کو رکھا صرف درجہ چہارم کی ملازمت ہندوستانی باشندوں کو دی گئی، ہر ضلع میں کلکٹر صرف انگریز ہوسکتا تھا کسی ہندوستانی کو اس عہدے پر رکھنا خلاف مصلحت اور پالیسی کے خلاف تھا، سب سے بڑا عہدہ جو ہندوستانیوں کو دیا جاسکتا تھا وہ ڈپٹی کلکٹر کا تھا جو درحقیقت انگریز کلکٹر کا غلام ہوتا تھا اور صرف جی حضوری میں لگا رہتا تھا اس کے چشم وابرو کے اشارے پر وہ کام کرتا تھا، اس کی ہمت نہیں تھی انگریز صاحب بہادر سے استصواب کئے بغیر کوئی کام کرسکے، ہندوستان کی مشہور ترین شخصیت سر سید احمد خاں جن کو ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے "فرزند ارجمند" کا خطاب حاصل تھا انگریزوں کی نگاہ میں ان کی بھی یہی حیثیت تھی جو عام ہندوستانیوں کی تھی وہ بھی ڈپٹی کلکٹر ہی رکھے گئے، یہی ان کی معراج کمال تھی، وہ رات رات بھر پستول لگائے کلکٹر کے بنگلہ کا پہرہ دیا کرتے تھے (۱) حالانکہ حکومت کی وفاداری میں ان کی ذات ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھی لیکن غلامانہ وفاداری افسران بالا میں اعتماد تو پیدا کرسکتی تھی لیکن انگریزی حکومت کی پالیسی نہیں بدل سکتی تھی، اسلئے وہ اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور ایک دن کیلئے وہ کلکٹر کے عہدے پر فائز نہیں ہوئے۔

ہر ضلع میں اسی پالیسی پر سختی سے عمل کیا گیا، یہی پالیسی فوج کے سلسلہ میں تھی، پوری فوج میں جو لاکھوں کی تعداد میں تھی کرنل، جنرل، بریگیڈیر اور ہر کمپنی کا افسر اعلیٰ

(۱) حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی، ص:۷۶

انگریز ہی ہوتا تھا کسی ہندوستانی کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا گیا وہ صرف رنگروٹ بن کر رہے اور انگریز افسران ان پر حکومت کرتے رہے، صوبے کا حاکم اعلیٰ اور گورنر تو اس کا انگریز ہونا شرط اول تھی ہی، اس انگریز کا مشنری ذہن مزاج کا بھی ہونا ضروری تھا اور عملی طور پر عیسائیت کی نشو ونما اور تبلیغ واشاعت میں حصہ لینا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا، اس کی مثال میں صوبہ اتر پردیش کے گورنر سر ولیم میور کا نام لیا جا سکتا ہے جنھوں نے صوبہ کی گورنری کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ رنگ کی کئی کتابیں لکھیں اور شائع کیں، ان کے علاوہ انتظامیہ اور عدلیہ کے اہم عہدوں پر بھی انگریز ہی تھے جو مشنری ذہن ومزاج کے تھے اگر خود عملاً تبلیغ عیسائیت میں حصہ نہیں لیتے تھے تو بھی ان کی ذمہ داری تھی کہ ہر اتوار کو کسی پادری کو بلا کر اپنی کوٹھی پر عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں وعظ کا بندوبست کریں اور اپنے ماتحت تمام ملازمین کو پابند کریں کہ وہ پادری کے وعظ میں ہر حال میں شریک ہوں۔

مشنری حکام کی تعلیم وتربیت: ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں حکام کی ضرورت تھی جو حکومت کی پالیسی کے مطابق نظام حکومت کے دروبست پر حاوی ہوں اور یہ کام محض کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ڈگریوں سے چلنے والا نہیں تھا، ہندوستان کے ماحول اور فضا کو مدنظر رکھ کر ایسے ہی لوگوں کی اس ملک کے عہدوں پر تقرری کی جا سکتی تھی جو مطلوبہ صلاحیت پیدا کر لیں، انگلینڈ کی حکومت نے خاص اس مقصد کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جس کو ''متحدہ مذہبی مجلس'' کا نام دیا گیا، اس کا محل وقوع، اس کے اساتذہ، اس کے طلبہ، تعلیم وتربیت کا نظام عام کالجوں اور اسکولوں کے بالکل جداگانہ رکھا گیا۔

چونکہ ہندوستان میں حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینی گئی تھی ان میں اشتعال زیادہ تھا وہی انگریزی حکومت کے سب سے بڑے دشمن تھے، اس لئے ان

کے مذہبی عقائدان کی تعلیم، ذہن ومزاج کو پیش نظر رکھ کر اس ادارہ کا نصاب مقرر کیا گیا، اسلامی علوم وفنون کی کتابیں نصاب میں شامل کی گئیں اور اساتذہ وہ انگریز مقرر کئے گئے جن کے پاس ماہر علوم اسلامیہ کی سند ہو، ان تیاریوں کے بعد اس ادارہ نے کام شروع کیا اور برسوں تک تعلیم وتربیت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں انگریزوں نے اس ادارہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی، یہی وہ افراد تھے جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کے دست وبازو بنے اور جب پورے ملک پر یہ تربیت یافتہ انگریز مسلط کردیئے گئے تو تبلیغ عیسائیت کی مہم پوری قوت سے چلادی گئی، پادریوں کا عیسائی مشن مستقل طور پر تبلیغ عیسائیت میں اپنے لمبے چوڑے بجٹ کے ساتھ مصروف عمل تھا وہ حشرات الارض کی طرح پورے ملک میں پھیل گئے۔

تبلیغ عیسائیت کا عہد شباب: ۱۸۵۰ء میں پورے ہندوستان کو عیسائی بنانے کی سرگرمیوں کا عہد شباب تھا، موسم کی پہلی بارش میں ہر شخص کا پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بارش سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرے اور یہی کرتا ہے مگر تبلیغ عیسائیت تو بارش نہیں بلکہ سیلاب کی شکل اختیار کرگئی تھی، ہر علاقہ اس کی زد میں تھا ہر آبادی اس کی اس کی تندوتیز روانی سے لرزہ براندام، ہر محفل میں اسی مہم کا ذکر، ہر مجلس میں اسی کا تذکرہ، جیسے پورے ملک میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے اور کوئی دوسرا مسئلہ نہیں بالخصوص مسلمان اس ناگہانی حادثہ سے آتش زیرپا تھا، اس کے دل ودماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے، اس کی قومی وملی غیرت سربہ گریباں تھی، ہر غیرت مند مسلمان اس سے نجات کی راہیں تلاش کرنے میں حیران وپریشان کہ صدیوں کا جاہ وجلال، حکومت واقتدار کی تباہی وبربادی کے بعد اب ایمان پر بن آئی ہے، یہ صدمہ اس کیلئے ناقابل برداشت تھا، مگر اس سے نبرد آزمائی کیلئے جس قوت ایمانی اور ہمت مردانہ کی ضرورت تھی وہ کہیں نظر نہیں آتی تھی، اس دور کی سرگرمیوں کا اندازہ مشہور فرانسیسی مستشرق

گارسان دی تاسی کے ان سالانہ لکچروں سے ہوتا ہے جو وہ ہر سال پیرس یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے دیتا تھا، اس نے اپنے لیکچروں میں انگریزی حکومت کی مستند رپورٹوں سے کام لیا ہے اس میں نہ کہیں لفاظی ہے نہ مبالغہ آرائی، حکومت کے افسران ہندوستان سے جو اطلاعات اس کو فراہم کرتے تھے اس کی روشنی میں وہ اپنا لیکچر مرتب کرتا تھا، اس لئے اس کا ہر بیان ہندوستان میں عیسائیت کی فروغ کی مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

"بالعموم ہندوستانیوں میں جو لوگ عیسائیت قبول کرتے ہیں وہ جاہل طبقہ کے لوگ نہیں ہوتے، لکھے پڑھے لوگ عیسائی ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں بعض راہبانہ سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں، مدراس کے بشپ نے پچھلی مرتبہ مذہبی نگرانی کے دورے میں پانچ ہزار دو سو باون (۵۲۵۲) دیسی لوگوں کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی تصدیق کی، انھیں دیسی لوگوں میں سے نو کو پادری مقرر کیا گیا اور گیارہ کو ڈیکن (مددگار) بنایا گیا۔

آگرہ کے کلیسا میں ہر اتوار کو دو مرتبہ ہندوستانی زبان میں عبادت کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں، پچھلے سال اسی گرجا میں آٹھ آدمیوں نے مسیحی مذہب قبول کیا، اضلاع میں بھی گرجے قائم ہو گئے ہیں جہاں عیسائی لوگ عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں، بہر حال عیسائی مبلغوں کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ابھی حال میں ہاتھرس میں بعض مبلغین کی مار پیٹ کی گئی، اور ان پر پتھر پھینکے گئے، مسیحی مبلغین کو نسبتاً نیم وحشی اقوام میں بھی کامیابی ہو رہی ہے جو انگریزوں کے زیر حکومت اس وسیع سرزمین کے تحت بعض گوشوں میں زندگی بسر کر رہی ہیں، چنانچہ بنگال کی مغربی سرحد اور ناگپور کے جنوب کے علاقے کے درمیان ایک جرمن مشنری نے حال میں چودہ ہزار (۱۴۰۰۰)

نفوس کو مسیحی حلقہ میں داخل کیا۔ (خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۱۴۸، ۱۴۹)

موسیو گارسان دی تاسی پروفیسر پیرس یونیورسٹی اپنے ایک دوسرے لیکچر میں ترقی پذیر عیسائیت پر اظہار خوشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس سچے مذہب مسیحیت کی ترقی اس قدر تیزی سے نہیں ہو رہی ہے جیسی کہ ہونی چاہئے تھی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کام کیا جا رہا ہے وہ نہایت ٹھوس ہے سالانہ رسالہ ''تبلیغ واشاعت'' میں ہندوستان کے کل کیتھولک عیسائیوں کی تعداد آٹھ لاکھ بتائی گئے ہے، ان میں بھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار سیلون میں جیسا کہ وہاں کے نمائندے پوپ نے واضح کیا ہے، آج اس وقت ہمارے زمانہ میں پُر جوش مبلغین عیسائیت ہندوستان میں جوش اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں قدیم کفر وشرک کے ماننے والوں اور جدید فطرت پرستی کے علمبرداروں کے مقابلہ میں مبلغین کو ہر جگہ کامیابی مل رہی ہے، مسٹر آر کلاک نے اپنے خط میں شہر امرتسر کے چرچ مشن کے متعلق مجھے بعض اطلاعات بہم پہونچائی ہیں اسکانستان کے آزاد کلیسا کی شاخ جو خود ناگپور میں قائم کی گئی ہے، مسیحی تہذیب وتبلیغ کا کام کمال خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے، لاہور کا امریکی مشن بھی خوب پھل پھول رہا ہے، شہر سیہور میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کے حدود حکومت میں ہے تقریباً چالیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک کلیسا تعمیر کیا گیا ہے، اس رقم کا بیشتر حصہ خود بیگم بھوپال اور ہلکر والی اندور نے اپنے پاس سے دیا ہے، دیسی اُمراء نے بھی چندے سے اس کام میں حصہ لیا ہے، اس سال بعض ممتاز مسلمان مسیحیت کے حلقہ میں داخل ہوئے ہیں، چنانچہ دہلی کے شاہی خاندان کے کئی شہزادوں کے بپتسمہ کی رسم ابھی حال میں منائی گئی ہے،

''اخبار عالم'' میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ مسیحی مبلغین اور مسلمان مولویوں نے ایک موقعہ پر باہم یہ طے کیا کہ وہ آپس میں پُرسکون طور پر مباحثہ کریں گے اگر مبلغین مسیحیت کے دلائل تسلی بخش ثابت ہوئے تو مولوی ان کا مذہب قبول کرلیں گے ورنہ وہ اسلام کے حلقہ میں اپنے تئیں شامل کرلیں گے، مجھے اس کا علم نہیں کہ اس مباحثہ کا کیا انجام ہوا، لیکن بہرنوع مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ مسلمان کبھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مباحثہ میں ہار گئے پچھلے سال عماد الدین کے عیسائیت قبول کرنے اور اس کی تصنیف کے متعلق میں ذکر کرچکا ہوں جس میں اس نے اسلام کی تردید کی ہے اس کتاب کا نام ''تحقیق الایمان'' ہے، مجھے اس کتاب کا ایک نسخہ ملا ہے۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۲۰۱، ۲۰۲)

موسیو گارسان دی تاسی نے اپنے ایک لیکچر میں مسلمانوں کے مسیحا سر سید احمد خاں کی بھرپور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی تصنیف بڑی کارآمد ہے، عیسائیت کی تبلیغ میں وہ بھی معاون ہے، وہ کہتا ہے:

''اردو کی اور بعض دوسری کتابیں جنھیں ہم خالص مسیحی تو نہیں کہہ سکتے لیکن نیم مسیحی ضرور کہہ سکتے ہیں، ان میں وہ کتاب شامل ہے جو ایک مسلمان عالم نے بائبل کی تفسیر پر لکھی ہے، یہ کتاب اپنے رنگ میں اجتہادی رنگ رکھتی ہے اور فاضلانہ بھی ہے، میری مراد سید احمد خاں کی تفسیر بائبل ہے۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۲۰۲)

جب کوئی مسلمان عیسائیت قبول کرتا ہے تو گارسان دی تاسی کا لب و لہجہ بڑا مسرت آمیز ہو جاتا ہے اور مزہ لے لے کر اس کو بیان کرتا ہے، اس کی دلی خوشی کا اظہار اس کے لفظ لفظ سے ہوتا ہے، وہ اپنے ایک دوسرے لیکچر میں کہتا ہے:

"باوجود مسیحی کلیساؤں کے اختلاف کے کوئی نہ کوئی مشہور ہندوستانی مسیحی مذہب قبول کرتا ہی رہتا ہے، بعض ایسے مسلمانوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے جو اپنی تعلیمی یا معاشرتی حیثیت سے ملک میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ کریم الدین جو ہندوستانی زبان کے مشہور انشاء پردازوں میں ہیں اور ان کے بھائی مولوی عماد الدین جو خود فاضل آدمی ہیں لیکن ان کو شہرت حاصل نہیں، یورپین لوگوں کے میل جول سے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ مسیحی مذہب سچا اور اسلام باطل ہے، ان میں مولوی عماد الدین کا باقاعدہ بپتسمہ ہو چکا ہے اور مولوی کریم الدین بھی غالباً عنقریب مسیحی مذہب میں شامل ہو جائیں گے، بہر حال اب دونوں مل کر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں اسلام پر اعتراضات ہوں گے"، (خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم ص: ۱۲۴، ۱۲۵)

مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا جذبہ تمام مسیحی مبلغین میں یکساں جوش پر تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دیگروں کے مقابلہ میں ضرور کم ہے پھر بھی وہ اسلام کے بجائے عیسائیت قبول کر لیتے ہیں تو پھر پورے ملک کو بڑی آسانی سے عیسائیت کے جال میں کسا جا سکتا ہے، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

"ہندوستان کے مسلمانوں میں مسیحی مبلغین کو زیادہ کامیابی ابھی نہیں حاصل ہوئی لیکن بعض مسلمانوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے، چنانچہ ناگپور کے ایک تعلیم یافتہ اور ممتاز مسلمان جو جبل پور کے ناظر مدارس ہیں جن کا نام مولوی صفدر علی ناگپوری ہے، ابھی حال میں مسیحی مذہب قبول کیا ہے، موصوف نے مسیحی کتابوں کو پڑھ کر اور اس کی صداقت کا قائل ہو کر خود بخود مذہب تبدیل کر لیا، ان کے اثر سے ایک اور مسلمان عیسائی ہو گیا جو ان کے ماتحت اسکول میں مدرس تھا، ہندوستان کے

مختلف صوبوں میں اس وقت ۵۱۵ مبلغین مسیحیت کام کرر ہے ہیں ان میں اینگلیکن اور دوسرے غیر کیتھولک شامل ہیں، ہمارے خیال میں کیتھولک مبلغین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی اس لئے کہ اس وقت ہندوستان میں دس لاکھ کیتھولک موجود ہیں، (خطبات گارساں دی تاسی حصہ دوم، ص: ۵۹، ۶۰)

صورت حال کتنی خطرناک تھی؟: ان تفصیلات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کتنے منصوبہ بند طریقے سے تبلیغ عیسائیت کا کام ہورہا تھا، پورے ملک کی صورتحال اس وقت ایسی تھی جیسے کوئی ٹڈی دل بوئے ہوئے کھیتوں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور آناً فاناً چٹ کر جاتا ہے، پادریوں کی یہ فوج ہندوستان سے اسلام کو ملک بدر کرنے پر جوش وجذبہ سے بھری ہوئی حملہ آور تھی، پادریوں کی سرگرمیاں ہر طرف شباب پر تھیں، یہ ساری معلومات جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں وہ سرکاری رپورٹوں، تبلیغ عیسائیت کی مہم میں لگے ہوئے پادریوں کے بیانات، خطوط، کارگذاری رپورٹوں کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں، جیسے اس وقت انگریزی حکومت کے سامنے اتنے بڑے ملک کے نظم ونسق کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا کیوں کہ اس پر ان کا پورا کنٹرول تھا کہیں سے بھی بغاوت، سرکشی، سرتابی کا کوئی معمولی واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا تھا جب کہ عیسائیت کے جبر کے سلسلہ میں اس کا بہت بڑا امکان تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورا ہندوستان اس طرح سہا ہوا تھا جیسے جلاد کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر گردن زدنی ملزم لرزہ براندام کھڑا رہتا ہے، جبکہ مسلمان قوم وہ تھی کہ اپنے مذہب کے خلاف ایک لفظ سن کر، شان رسالت مآب ﷺ میں ادنیٰ گستاخی دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو رکھنا اس کیلئے ناممکن تھا، آج اسی خوددار اور غیرتمند قوم کے لوگ سرکاری نوکری کی وجہ سے اپنے افسران کے بنگلے پر جاکر بدزبان وبدلگام پادریوں سے وعظ سنتے ہیں اور ان کے بدن پر جوں نہیں رینگتی، ہر ہندوستانی ملازم گردن جھکا کر ان پادریوں کا جوش

وجذبہ سے بھرا ہوا وعظ اور اسلام اور سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس پر الزامات واتہامات کو سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے یہ ایمان کی جاں کنی کا وقت تھا، ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا کیوں کہ اس کے اندر یہ جرأت ہی نہیں رہ گئی تھی، آپ سوچئے کہ اس صورت حال میں پادریوں کو اپنی طاقت وقوت کا کتنا مغرورانہ احساس رہا ہوگا اور ان کے جوش وخروش میں ہر لحہ اضافہ ہوتا رہا ہوگا، میری پیش کردہ تفصیلات سے آپ نے اس کا اندازہ کرلیا ہوگا۔ البتہ جن کے دلوں میں ایمان مستحکم تھا یا جولوگ اسلام اور ایمان کی حفاظت کیلئے جذبات سے کھول رہے تھے ان کے درد وکرب کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ کمزور ایمان کے لوگ تو اس فضا میں اسلام کو برحق مانتے ہوئے بھی عیسائیت کو قبول کر لینے ہی کو تقاضائے وقت اور مصلحت وقت تصور کرنے لگے تھے جیسا کہ خود مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تجربات ومشاہدات سے اندازہ ہوتا ہے۔

ہم نے جنگ جیت لی: عیسائی پادریوں کی فوج نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے اسلام کا مورچہ فتح کرلیا، اب دہلی کی سب سے عظیم اور بلند وبالا عمارت پر فتح کا پرچم لہرا دیا جائے، کمپنی کی حکومت نے یقین کرلیا کہ جس طرح ہم نے ہندوستان پر مکمل فتح حاصل کرلی ہے اسی طرح ہندوستانیوں کے دل ودماغ پر بھی فتح حاصل کرلی ہے، اب نہ کوئی دماغ ہمارے اقتدار کے خلاف کوئی اسکیم سوچ سکتا ہے نہ ہمارے خلاف کوئی دل بغاوت وسرکشی کا تصور کرسکتا ہے، اب ہماری راہ کی ہر رکاوٹ دور ہوچکی ہے، اب کسی فرد میں یہ جرأت وہمت نہیں کہ ہمارے منصوبہ اور پروگرام میں خلل انداز ہوسکے، کمپنی کی حکومت اپنے اسی خیال کو عملی شکل میں دیکھنا چاہتی تھی اور تجربہ کرکے جاننا چاہتی تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں میں اسلامی غیرت وحمیت مر چکی ہے یا ابھی اس میں کچھ دم باقی ہے، اسی تجربے کیلئے پادریوں کے مشوروں اور تقاضوں پر فیصلہ کیا کہ جس

طرح صلیب پرستوں نے اندلس میں وہاں کی سب سے شاندار اور عظیم ترین مسجد جس کو "مسجد قرطبہ" کہا جاتا ہے گرجا گھر بنا کر اپنی عظیم الشان فتح کا اعلان کیا تھا اسی طرح دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد جو قلب شہر میں واقع ہے اور مسلمانوں کے جاہ واقتدار کی علامت ہے اور ان کی عظمت وجلال کا مظہر بنی ہوئی ہے اس کو ایک عظیم الشان گرجا گھر کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے، یہ خیال ان کے دل میں صرف اسی لئے آیا کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ پورے ہندوستان کے عیسائی ہو جانے میں اب کچھ زیادہ دیر نہیں، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں انگریزوں کے اس منصوبہ سے روشناس کراتا ہے اور کہتا ہے:

"بلاشبہہ دہلی میں عہدہ اسقفی قائم کرنے کا سوال درپیش ہے اور یہ بھی تجویز ہے کہ سرخ گار کے پتھروں کی شاہجہانی مسجد جامع کو کیتھڈرل یعنی منبردار گرجا میں تبدیل کر دیا جائے بشرطیکہ پایہ تخت دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے انگریزوں کے شدید حملے میں وہ محفوظ رہ گئی ہو۔

علاوہ ازیں کنٹر بری کا لاٹ پادری مطالبہ کر رہا ہے کہ تین بڑے پادریوں (اسقفوں) کا جدید تقرر عمل میں لایا جائے، ایک لاہور میں پنجاب کیلئے، دوسرا آگرہ میں صوبہائے شمال مغربی کیلئے، تیسرا تناولی میں جنوبی کرناٹک کیلئے، مزید برآں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے سے تبلیغ کے باب میں سبقت لے جانے کی کوششوں میں سرگرم ہیں، رومن کیتھولک ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں اور پروٹسٹنٹوں کی نظر صرف مسلمانوں پر ہے کیوں کہ مسلمانوں کو بتوں اور مجسموں سے جو کیتھولکوں کے یہاں ہوتے ہیں بہت نفرت ہے۔ (خطبات گارسان دی تاسی حصہ اول، ص: ۲۱۸)

عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے متعلق صرف ایک اقتباس اور، اس کے بعد

یہ سلسلہ ختم کردیا جائے گا، یہ اقتباس عیسائی مشن کی معلومات اور مسیحی لٹریچر سے تعلق رکھتا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ کتنے بڑے پیمانے پر کتابیں اور رسالے کتابچے اردو اور بعض دوسری سرکاری زبانوں میں شائع کرکے پورے ملک میں وہ پھیلا رہے تھے اس بے پناہ لٹریچر سے بھی ہندوستان کی مذہبی فضا میں ایک تموج اور ایک بھونچال سا برپا رہتا تھا اس سلسلہ میں موسیو گارسان دی تاسی کے ایک لیکچر سے کچھ روشنی پڑتی ہے ،وہ اپنے سالانہ لیکچروں میں سے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

"میں مبلغین مسیحیت کی ساری کتابوں کے متعلق تفصیل سے ذکر نہیں کروں گا اس واسطے کی مضمون بہت طویل ہوجائے گا، یہ لوگ انجیل مقدس کی تعلیمات کی بڑے جوش وخروش سے نشر واشاعت کررہے ہیں، مذہبی قسم کی مطبوعات جو حال میں شائع ہوئی ہیں اور جن کا مجھے علم ہے ایک کتاب "سچے اوتار" یعنی خدا کے انسانوں میں حلول کرنے سے متعلق لکھی گئی ہے، ایک حقیقی تثلیث اور ہندوؤں کی "تری مورتی" سے متعلق ہے، ایک کتاب میں اسلام کی ابتدا اور عروج وزوال پر تبصرہ ہے، ان کتابوں کے علاوہ بہت ساری انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں جن میں متعدد فرانسیسی میں بھی موجود ہیں، حضرت سلیمان کی امثال اور پہاڑی کا وعظ کا اردو نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے، بمبئی کی "مسیحی انجمن کتب ورسائل" بھی اپنے کام میں مصروف ہے، اس سال اس نے ۲۴۰ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں، جو ہندوستانی اور دوسری زبانوں میں بھی ہیں، اس قسم کی تبلیغی کتب کو تقسیم کرنے کے علاوہ مبلغین مسیحیت ملک کے طول وعرض میں کلیساؤں اور گرجاؤں کی بنیادیں بھی ڈال رہے ہیں اور مدرسے قائم کررہے ہیں۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ اول ص:۴۰۳،۴۰۲)

طاقت کا غرور اور اس کا مظاہرہ: عیسائی پادری چونکہ کمپنی کی حکومت کے کارندے تھے اسلئے ان کو حکومت کی طرف سے تمام سہولتیں حاصل تھیں، عوام پر ان کا رُعب قائم رکھنے کے وسائل اختیار کئے جاتے تھے، انتظامیہ کے افسران کی ذمہ داری تھی کہ پادری جو کچھ کریں، کیسا ہی اشتعال انگیز طریقہ اختیار کریں ان کو آزاد رکھا جائے اور ان کی مکمل حفاظت کی جائے، ان کو باڈی گارڈ تو حاصل تھے ہی لیکن یہ بھی حکم تھا کہ پادریوں کو بے لگام رکھنے کیلئے ماحول سازگار بنائے اور مجمع پر کنٹرول رکھے تا کہ کسی بھی جذباتی مسلمان کو پادریوں کے وعظ میں خلل ڈالنے کی جرأت نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ یورپ کا مایہ ناز پادری فنڈر کا مقام تو آگرہ میں تھا لیکن اس کی سرگرمیوں کا مرکز دارالحکومت دہلی تھا چونکہ اس کا نشانہ مسلمان قوم تھی وہ ماہر علوم اسلامیہ کی ڈگری رکھتا تھا اسلئے وہ ایسے مقامات کا انتخاب کرتا تھا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو، چنانچہ اس کا معمول تھا کہ جب تک وہ دہلی میں رہتا روزانہ بعد نماز عصر دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اسلام پر اعتراضات کرتا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا تھا اور مسلمان خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے، بار بار اشتعال انگیز لب ولہجہ میں علماء اسلام کو چیلنج کرتا تھا، اس وقت اس کی چاروں سمت مسلمانوں کا مجمع ہوتا تھا، اس میں عوام بھی ہوتے اور خواص بھی، علماء اسلام بھی ہوتے اور دانشوران ملک وملت بھی، جذباتی نوجوانوں کی بھی بھیڑ ہوتی، سرد وگرم چشیدہ عمر دراز مسلمانوں کی بھی، لیکن مسلسل اس کے اعلان هَلْ مِنْ مُبَارِزْ کے باوجود پورے مجمع پر سناٹا طاری رہتا تھا کسی میں جرأت نہ تھی کہ اس کے چیلنج کا اسی کے لب ولہجہ میں جواب دیتا، مسلمانوں کی کم ہمتی اور مرعوبیت کا یہ عالم تھا۔

تبلیغ عیسائیت میں جبر وتشدد کی شہادت: کمپنی کی حکومت کی طرف سے تبلیغ عیسائیت میں جبر وتشدد کی سب سے مستند شہادت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سب

سے وفادار خیر خواہ سرکاری ملازم سرسید احمد خاں کی ہے، انھوں نے اپنے آقایان ولی نعمت کو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو رپورٹ دی ہے اس کا عنوان "اسباب بغاوت ہند" ہے، اس رپورٹ میں تبلیغ عیسائیت کے سلسلہ میں جو کاروائیاں حکومت کی طرف سے کی گئیں، ان کی نشاندہی کی گئی اور انھوں نے یہ بتایا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء جیسا خطرناک حادثہ کمپنی کی حکومت کو صرف اس لئے پیش آیا کہ اس نے اپنے اقدامات میں زیادہ دور اندیشی اور مصلحت بینی سے کام نہیں لیا، سرسید چونکہ حکومت کمپنی کے وفادار اور انتہائی قابل اعتماد ملازم تھے اور انتظامیہ سے وابستہ تھے اسلئے حکومت کے اقدامات کا جو ردعمل یہاں کے عوام کی طرف سے ہوتا تھا، ان سے بخوبی واقف تھے، سرسید حکومت کے منصوبہ اور پالیسی پر تنقید نہیں کرتے بلکہ طریقہ کار کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں، اس رپورٹ کا ہر ہر لفظ سند ہے کیونکہ یہ رپورٹ لندن پارلیمنٹ کے ہر ہر ممبر کو بھیجی گئی تھی اور حکومت کی ساری مشنری کو اس سے مطلع اور باخبر کیا گیا تھا، اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں جو جابرانہ رویہ اختیار کیا گیا تھا س سے مسلمانوں کے دل ودماغ پر جو قیامت گذر رہی تھی اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے حکومت سے وفاداری اور اس کی خیر خواہی کے جذبے سے مجبور ہو کر یہ رپورٹ لکھی ہے، مسلمانوں کی مظلومیت وبے چارگی کا اظہار کر کے ان کی بہی خواہی سے اس رپورٹ کا کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو مسلمانوں کے قتل عام سے نہیں طریقہ قتل سے شکایت ہے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گردن مار دو مگر خون کا چھینٹا تمہارے دامن پر نہیں پڑنا چاہئے، وہ حکومت کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو طریقہ کار بدلنا ہوگا مگر رپورٹ کا انداز بیان درست نہیں تھا اسلئے غلط فہمی ہوئی، ممبران پارلیمنٹ اس رپورٹ کو پڑھ کر برہم ہوئے،(۱) لیکن جب ٹھنڈے دماغ سے اس کا

(۱) حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی ص: ۳۲۲ سے ۳۲۶ تک

گہرائی سے مطالعہ کیا تو انگریزوں کے دلوں میں سرسید کی قدر و قیمت کئی گنا اور بڑھ گئی اور ان کی انگریزی حکومت کی خیر خواہی اور بے لچک وفاداری کا صحیح احساس ان کے دلوں میں پیدا ہوا، اسی دستاویزی رپورٹ کے جستہ جستہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، اس دور میں مسلمانوں کی بے بسی کتنے کربناک حالات سے گذر رہی تھی اس کا اندازہ کریں، سرسید اپنی رپورٹ ''اسباب بغاوت ہند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مداخلت مذہبی۔ کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل، اعلیٰ اور ادنیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو کیا مسلمان عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم و رواج پر لا ڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے، ہر شخص دل سے جانتا تھا کہ ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں اس واسطے سے دفعۃً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے مگر جتنا جتنا قابو پاتے جائیں گے اتنی اتنی مداخلت کرتے جائیں گے اور جو باتیں رفتہ رفتہ ظہور میں آتی گئیں اس کا بیان آگے آئے گا، ان کے اس غلط شبہ کو زیادہ مستحکم اور مضبوط کرتی گئیں، سب کو یقین تھا کہ ہماری گورنمنٹ اعلانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی بلکہ خفیہ تدبیریں کر کر مثل نابود کر دینے عربی اور سنسکرت کے مفلس محتاج کر دینے ملک کے اور لوگوں کو جو ان کا مذہب ہے ان کے مسائل سے ناواقف کر کر اور اپنے دین و مذہب کی کتابیں اور رسائل اور وعظ کو پھیلا کر، نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دیں گے۔ (حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی ص: ۸۱۵، ۸۱۶)

سرسید چونکہ اپنی یہ رپورٹ صرف اس لئے لکھ رہے تھے کہ اس کو لندن

پارلیمنٹ کے ممبران کے پاس بھیجیں گے اسلئے حکومت انگلینڈ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے الفاظ کو بہت احتیاط سے استعمال کرتے ہیں اس کے باوجود پہلے پہل انگریزوں نے اس رپورٹ کو پڑھا تو بہت برہم ہوئے اور سرسید کو اس رپورٹ کے لکھنے پر سزا دینے کا مطالبہ کیا لیکن جب اس کی افادیت پر غور کیا تو پوری انگریزی قوم سرسید کی ممنون احسان بن گئی کہ انھوں نے خود اپنی ہی قوم کو زیر کرنے اور ان پر حکومت کرنے کا ہم کو گر سکھایا ہے، ایسا وفادار کہاں مل سکتا ہے، سرسید اس رپورٹ میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے، گورنمنٹ سے پادری صاحب تنخواہ پاتے ہیں، گورنمنٹ اور حکام انگریزی ولایت زا جو اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں، اکثر حکام متعہد اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی، بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو، اور ایسا ہی ہوتا تھا غرضیکہ اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۶)

سرسید چونکہ گھر کے بھیدی تھے اس لئے رازِ درونِ خانہ سے واقف تھے، مگر انداز بیان ان کا تجاہل عارفانہ کے قبیل سے ہے وہ ان تمام حقائق سے واقف تھے جو عیسائیت کی تبلیغ میں کارفرما تھے لیکن اس کو عام مسلمانوں کی غلط فہمی سے تعبیر کرتے ہیں اور کمپنی کو معصوم اور بے گناہ سمجھتے ہیں، وہ مزید لکھتے ہیں:

"پادری صاحبوں کے وعظ نے نئی صورت نکالی تھی، تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال و جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں، ان کتابوں میں دوسرے مذہب کے مقدس لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دہ مندرج ہوئے، ہندوستان میں دستور وعظ اور کتھا کا یہ ہے کہ اپنے اپنے معبد یا مکان میں بیٹھ کر کہتے ہیں جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سنے، پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا وہ خود غیر مذہب کے مجمع اور تیرتھ گاہ، میلہ میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا، بعض بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحبوں کے ساتھ تھانے کا ایک چپراسی جانے لگا، پادری صاحب وعظ میں صرف انجیل مقدس کے بیان پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں اور مقدس مقاموں کو بہت برائی سے اور ہتک سے یاد کرتے تھے، جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور تکلیف ہوتی تھی۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۷)

سرسید نے تبلیغ عیسائیت کے جبر وقہر کے واقعہ کو ریشمی کپڑوں کی طرح ملائم الفاظ میں بیان کیا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہندوؤں کے کسی مذہبی اجتماع میں کوئی مسلمان اسلام کے فضائل اور مورتی پوجا کی مذمت میں تقریر کرنے لگے یا کوئی ہندو مقرر مسلمانوں کے میلاد میں آکر اسلام کی مذمت میں بھاشن دینے لگے تو آپ کو معلوم ہے کہ اس کا انجام قتل وخوں ریزی بلکہ اجتماعی جنگ ناگزیر ہے کیونکہ کوئی بھی قوم اپنی مذہبی تقریبات میں اس طرح کی بات کو ایک لمحہ کیلئے برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتی، مگر طاقت کے غرور اور حکومت کے رعب داب کی وجہ سے یہ پادری دوسروں کی مذہبی تقریبات میں بلا جھجک مداخلت کر کے انھیں کے مذہب اور دھرم کی

مذمت میں تقریریں کرتے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کو روک دے، جبر وقہر کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے جتنے اسکول اور کالج کھولے تھے ان میں عصری علوم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی لازمی تھی بلکہ مذہبی تعلیم عملی لحاظ سے غالب تھی اور حکومت کی نوکری انھیں اسکولوں اور کالجوں کی سند پر منحصر تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ یا تو عیسائی بنو ورنہ بھوکوں مرو، سرسید اپنے اسی رسالہ اسباب بغاوت ہند میں تحریر فرماتے ہیں:

"ادھر دیہاتی مکاتب اور کالجوں کا یہ حال تھا کہ ان پر سب کو شبہہ رواج دینے مذہب عیسائی کا ہو رہا تھا کہ دفعتاً پیشگاہ گورنمنٹ سے اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم اور زبان انگریزی میں امتحان دے کر سند یافتہ ہوگا وہ نوکریوں میں سب سے مقدم سمجھا جائے گا، چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفکٹ پر جن کو ابھی تک سب لوگ کالا پادری سمجھتے تھے منحصر ہوگئیں، ان غلط خیالات کے سبب لوگوں کے دلوں پہ ایک غم کا بوجھ پڑ گیا اور سب کے دل میں ہماری گورنمنٹ سے ناراضی پیدا ہوگئی اور لوگ یہ سمجھے کہ ہندوستان کو ہر طرح بے معاش اور محتاج کیا جاتا ہے تاکہ مجبور ہو کر رفتہ رفتہ لوگوں کی مذہبی باتوں میں تغیر وتبدل پیدا ہو جائے۔ (حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۹)

سرسید اس رپورٹ میں ہر جگہ "ہماری گورنمنٹ" کا لفظ لکھتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کی حکومت کا ایک وفادار ملازم اپنے آقا کو اپنی کارگذاری رپورٹ دے رہا ہے، تمام حقائق کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر جگہ مسلمانوں اور عام ہندوستانیوں کی اس کو غلط فہمی کہتے ہیں خون میں شرابور مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے

اور اس کے ہمدردوں سے کہا جائے کہ تم کو غلط فہمی ہے کہ اس کو تلوار یا نیزہ مارا گیا ہے، یہ بدترین غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے، جبر و تشدد کے حقائق کی موجودگی میں غلط فہمی کا کیا سوال؟ بس بات اتنی تھی کہ ان کو اپنے آقایان ولی نعمت کی طرف سے عتاب کا اندیشہ تھا اور کچھ نہیں۔

ان جزئیات کی تفصیل سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ میں جبر و قہر کی باتیں ہر طبقہ اور ہر قوم میں یکساں طور سے ہوتی تھیں، اس دور میں سب سے اہم مسئلہ عیسائیت کی جبری تبلیغ تھی اور ہر ہر قدم پر ہندوستانی عوام چاہے ہندو ہوں یا مسلمان ان کے دلوں کو شاک لگتا تھا بجلی کا جھٹکا لگتا تھا کہ کمپنی کی حکومت پورے ہندوستان کو عیسائی بنا کر ہی دم لے گی، سرسید نے آخر میں جس فضا کی عکاسی کی ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے وہ صاف بتاتی ہے کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا حکومت اپنا آخری وار کرنے کیلئے تلوار سونت رہی ہے، سرسید تحریر فرماتے ہیں:

”یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ہو رہی تھیں کہ دفعۃً ۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آ گیا اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اول ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو، سب لوگ بیشک

سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں، آپس میں ہندوستانی لوگ اہلکاران سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی چٹھی آئی؟ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم بھی بہ سبب لالچ نوکری کے کرسٹان ہو گئے، ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاروں کو الزام لگایا کہ جن کے پاس چٹھیاں آتی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئی، لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آجائے گی، کیا تم سرکاری نوکر نہیں ہو؟ سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں تمام ہندوستانیوں کے غلط شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص: ۸۱۹، ۸۲۰)

آستین کے سانپ: کمپنی کی حکومت تو منصوبہ بند طریقے سے اپنا کام کرتی جارہی تھی، اسی دور میں کچھ مار آستین بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے مسلمانوں کو ڈسنا شروع کر دیا، کچھ پڑھے لکھے لوگ عیش و تنعم کے لالچ میں مرتد ہو گئے تھے ایسے ایک درجن کے قریب مشہور لوگ تھے چونکہ وہ مسلمان گھرانوں کے فرد تھے اور پڑھے لکھے تھے اس لئے جب جب ضمیر فروشی پر آمادہ ہو گئے تو عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے اور حکومت کا حق نمک ادا کرنے لگے، ان کے علاوہ بعض ممتاز اور سربرآوردہ مسلمان جنھوں نے اگر چہ عیسائیت نہیں قبول کی تھی لیکن ان کے دل میں عیسائیت کیلئے ایک نرم گوشہ ضرور تھا وہ کمپنی کی حکومت کے انتہائی وفادار ملازم تھے ان کو معلوم تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ حکومت کے پلان میں شامل ہے اسلئے وہ غایت وفاداری میں ثالث بن کر علماء اسلام کے ہاتھوں سے تلوار چھین لینا چاہتے تھے جن سے وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں مدافعت کا کام لے رہے تھے، ان میں سب سے ممتاز نام خود سرسید احمد خاں کا ہے انھوں نے

کئی کتابیں لکھ کر پادریوں کو داؤ پیچ سکھائے۔

سرسید کا کارنامہ: مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اعجاز عیسوی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انھوں نے انجیل کے محرف ہونے پر ناقابل تردید دلائل جمع کئے تھے بعد میں اسی تحریف کے مسئلہ پر مناظروں میں پادریوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی، سرسید نے اس کتاب کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی، حالی اسی کتاب کے متعلق سرسید کا نظریہ لکھتے ہیں:

> ''ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اب تک جس قدر مباحثے یا مناظرے ہندوستان میں پادریوں کے ساتھ ہوئے ہیں وہ ان تمام باتوں کی واقفیت کے بغیر ہوئے، اعجاز عیسوی وغیرہ میں جو تحریف لفظی کا دعویٰ کیا گیا ہے اس سے سرسید کو اختلاف تھا، نسخ کے متعلق جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں نزاع تھا اس کو وہ محض نزاع لفظی سمجھتے تھے (حیات جاوید، الطاف حسین حالی، ص:۱۱۲)

پادریوں کی خفیہ مدد: سرسید کو غصہ تھا کہ پادری نسخ و تحریف کا اعتراف کر کے بے وقوفی کر رہے ہیں اور شکست کی ذلت اٹھا رہے ہیں، سرسید نے پادریوں کا ہاتھ مضبوط کرنے کیلئے بائبل کی تفسیر لکھنی شروع کی اور ہر جگہ بائبل کی تعلیمات کو قرآن و احادیث سے مطابقت ثابت کرنے پر پور از ور قلم صرف کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں عیسائیت کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو جائے، چاروں انجیلیں ہندوستان میں تقسیم کی جا رہی تھیں ان میں اُلوہیت مسیح، تثلیث اور کفارہ وغیرہ کے مشرکانہ عقائد موجود ہیں ان کو سرسید نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی موقعہ پر ان مشرکانہ عقائد کی تردید کی، اس کے باوجود انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انجیل کی ساری تعلیمات قرآن و حدیث کے مطابق ہیں، سرسید کی بائبل کی اس تفسیر سے مسلمانوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی اس کے برعکس عیسائی دنیا نے ان کو مبارکباد دی اور اظہار مسرت کیا،

مشہور فرانسیسی مستشرق گارسان دی تاسی نے بائبل کی اس تفسیر کو نیم مسیحی کتاب کہا ہے یعنی اس کا مصنف اگرچہ پورا عیسائی نہیں لیکن نصف عیسائی ضرور ہے، اسی طرح مشہور انگریز مصنف مسٹر آرنلڈ نے اپنی کتاب ''قرآن اینڈ بائبل'' میں سرسید کا ایک خط بھی شائع کیا ہے اور سرسید کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے بائبل کی تفسیر بڑی حیرتناک ہے لیکن سرسید کی تفسیر بائبل نامکمل رہ گئی، مسٹر آرنلڈ بڑی حسرت کے ساتھ لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ کام مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے ہوجائے تو عیسائیوں کو یہ ثابت کرنا کچھ دشوار نہ ہوگا کہ اگر انجیل صحیح ہے تو قرآن ضرور جھوٹ ہے۔

(حیات جاوید، الطاف حسین حالی، ص:۱۱۹)

آرنلڈ نے سرسید کی تفسیر پڑھ کر جو نتیجہ نکالا کہ بائبل کی اس تفسیر سے قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے یہ کتاب پادریوں کو سرسید کی دین ہے، حالی نے پروفیسر آرنلڈ کے اس جملہ کو لکھ کر آرنلڈ کا مذاق اڑایا ہے، حالی بھی کبھی کبھی بچکانہ باتیں کرنے لگتے ہیں، اسی مصنف آرنلڈ کا بیان سرسید کی کتاب کی اہمیت ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے ہیں اور وہ کتاب کی افادیت کھول کر بیان کرتا ہے تو اس کو احمق کہنے لگتے ہیں، حقیقت وہی ہے جو آرنلڈ نے اس کے بارے میں بیان کیا، مسلمان اس کتاب سے اس قدر برہم تھے کہ سرسید نے اس کی تکمیل کا ارادہ ہی ترک کردیا۔

مولانا کیرانوی کا مشاہدہ: مولانا کیرانوی جب اپنی کتاب ''ازالۃ الشکوک'' لکھ رہے تھے اس وقت حالات کتنے خراب ہوچکے تھے اس کا شدید احساس خود مولانا کیرانوی کو تھا آپ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، آپ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

''اب میں ان وجوہ کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب یہ مباحثہ ہوا، اول یہ

کہ روز بروز شوروغل پادریوں کا بڑھتا چلا جاتا تھا، اور زبانی فریاد کرتے تھے کہ مسلمانوں سے ہماری بات جواب نہیں بن پڑتا ہے، اور اپنے رسالوں کے آخر میں ایسی باتیں چھاپنے لگے تھے، اس پر میں نے چاہا کہ اپنے مقدور کے مطابق میں بھی ہاتھ ہلاؤں، شاید اللہ تعالیٰ کچھ ثمرہ نیک دیوے، دوم یہ کہ جس عیسائی سے ملاقات ہوئی اس سے جو کچھ تذکرہ آیا اس کی تقریر سے بھی یہی معلوم ہوا کہ "میزان الحق" ان کے گمان میں ایسی کتاب ہے کہ گویا الہام سے لکھی گئی ہے اور مسلمان اس کے جواب سے عاجز ہیں، اگر ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ بات غلط ہے "میزان الحق" کا کیا ذکر اس کے مصنف سے بھی مسلمانوں کو کچھ خوف نہیں، تو کہتے تھے کہ صاحب جب تم کو اس سے پالا پڑے تب جانو، سوم یہ کہ جب میں ایک تقریب سے اکبر آباد کا عازم ہوا تو چلتے وقت ماسٹر رام چندر نے کہ مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے اور عرصہ سے عیسائیت کا دم بھرتے تھے اور پادریوں سے بھی زیادہ تعصب میں قدم بڑھا کر رکھتے تھے اور .. میزان الحق" کے بڑے معتقد تھے کہا کہ اگر اتفاق ہو جائے تو پادری فنڈر سے ملئے گا، چہارم یہ کہ جب اکبر آباد میں پہونچا تو بعض بعض کو تذبذب میں پایا اگر ان کو سمجھایا گیا تو انھوں نے یہی کہا کہ اگر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ہم کو قائل کر دیتے ہو اور اگر کسی اچھے پادری کے پاس جاتے ہیں تو وہ بھی ہم کو لاجواب کر دیتا ہے، تو ہم کیسے سمجھیں کہ تم ہی حق پر ہو، اور وہ باطل پر یا بالعکس بلکہ ہم تو حیرت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں ہاں اگر مقابلہ منہ در منہ ہو جائے تو ہماری حیرانی کچھ دفع ہو۔ (مقدمہ "ازالۃ الشکوک" مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

نقطہ عروج: ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ

واشاعت کا یہی نقطۂ عروج تھا، پورے ہندوستان میں بلا استثناء ہر ایک شخص حکومت کی منشا اور ارادہ ومنصوبہ کو سمجھنے لگا تھا کہ چاہے کوئی دل سے مانے یا نہ مانے بہرحال اس کو بزور شمشیر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کردیا جائے گا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ہندوستان کو دوسرا اندلس بنادینے کا مستحکم پلان تھا، وہ تو غدر ۱۸۵۷ء میں پچاسوں ہزار ہندوستانیوں نے جان دے کر اپنی لاشوں کے انبار سے حکومت کی راہ مسدود کردی اور جبر وقہر کا یہ کارواں وہیں رک گیا۔

مولانا کیرانوی تاریخ کے اسی نازک موڑ پر ملت اسلامیہ کے مسیحا بن کر منصۂ شہود پر آئے اور انھوں نے اپنی بے پناہ قوت ارادی، ناقابل تسخیر علمی صلاحیت و استعداد اور پوری ایمانی طاقت سے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا ورنہ ہندوستان شاید دوسرا اندلس بن چکا ہوتا، آئندہ اوراق میں ہم مولانا کیرانوی کی اسی ایمان افروز جد وجہد کو تفصیل سے پیش کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۴)

مولانا کیرانوی میدان عمل میں

مولانا کیرانوی ان تمام حالات سے واقف تھے بلکہ بچشم خود دیکھ رہے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں آپ دہلی میں مقیم تھے اور کئی برس رہے، کبھی مدرسہ حیات کے کمرے میں اقامت گزیں تھے، کبھی اپنے والد کے ساتھ مہاراجہ ہندوراؤ کی فراہم کردہ کوٹھی میں، تعلیم سے فراغت کے بعد مہاراجہ ہندوراؤ نے مولانا کیرانوی کو اپنے یہاں بلاکر ریاست کی بعض ذمہ داریاں ان کے سپرد کردیں پھر آپ ریاست کے چیف سکریٹری ہوگئے، اس ملازمت کے دوران بھی کئی برسوں تک دہلی ہی میں رہے اور جب والد کا انتقال ہوگیا تو مہاراجہ ہندوراؤ کے یہاں اپنے چھوٹے بھائی کو میر منشی کے عہدے پر مقرر کرا کے آپ کیرانہ لوٹ آئے، اس تمام عرصہ میں آپ دہلی شہر میں عیسائیوں کی تیز تر سرگرمیوں کے عینی شاہد رہے، اس کی وسعت اور پھیلاؤ، گہرائی وگیرائی، اور جبر وتشدد کی تمام صورتوں سے واقف ہوچکے تھے، اور ایک مذہبی گھرانے کے فرد ہونے کی وجہ سے اسلام کی مظلومیت وکسمپرسی کو دیکھ کر برابر درد وکرب میں مبتلا رہے، جب آپ دہلی سے واپس آکر مستقل طور پر کیرانہ میں قیام پذیر ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو اس مصروفیت کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت میں آپ نے کتابوں کا بھی سلسلہ شروع کیا، مناظرہ سے پہلے آپ کئی کتابیں مرتب کرکے شائع کرچکے تھے، اور آپ کے متعدد تلامذہ پڑھ کر فارغ ہوچکے تھے، آپ نے ان کو بھی وقت کے اس عظیم فتنہ کی اہمیت بتائی، دہلی اور آگرہ کے متعدد علماء سے بھی آپ کا

تعارف تھا، آپ نے ان حضرات کو بھی اس فتنہ سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کیا اور عیسائیوں کی طرف سے شائع ہونے والی تمام کتابوں کو حاصل کر کے ان کا مطالعہ کرنے کی تاکید فرماتے رہے اور خود بھی ان کا گہرائی سے مطالعہ کرتے، عیسائیوں کی بنیادی کتابوں کی تلاش اور ان کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کرتے رہے، عہد قدیم اور عہد جدید ہندوستان میں شائع ہونے والی انجیلوں، انجیل کے مفسرین وشارحین کی کتابوں کو بڑی جدو جہد اور محنت سے حاصل کر کے پڑھا اور جدید وقدیم ایڈیشنوں کی جستجو بھی برابر جاری رکھی یہاں تک کہ پوری بصیرت کے ساتھ ردعیسائیت کیلئے آپ مکمل طور پر تیار ہو گئے۔

عزم بالجزم: چونکہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ پادریوں کو چھیڑنا کچھ آسان نہیں، کمپنی کی حکومت کی پیشانی پر شکن آسکتی ہے لیکن آپ میں جرأت ایمانی درجہ کمال کو پہونچی ہوئی تھی، جاگیر ریاست ایک معزز زمیندار گھرانے کے فرد ہونے کی حیثیت سے بھی فطری طور پر حالات سے نبرد آزمائی کی جرأت وہمت تھی اسلئے دین کی خدمت میں ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے، ہرچہ بادا باد، ماکشتی درآب انداختیم، آپ ۱۸۵۰ء سے مسلسل ردعیسائیت اور اس فتنہ کے سدباب کرنے کے سلسلہ میں فکرمند اور غلطاں وپیچاں رہے، کتابیں لکھتے رہے اور اپنے دور کے چند مرتد مسلمان جو عیسائی پادری بن چکے تھے وہ مسلسل اسلام کے خلاف کتابیں اور رسالے لکھ رہے تھے ان تمام کتابوں کے جوابات لکھتے رہے، مگر براہ راست کسی پادری سے بحث ومباحثہ کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ آپ کیرانہ میں رہتے تھے جہاں ان کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا البتہ دہلی اور آگرہ مین ان کی سرگرمیاں شباب پر تھیں اور ان دنوں دہلی جانے کی نوبت کم ہی آتی تھی۔

آگرہ کا سفر: ۱۸۵۴ء کے ابتدائی مہینے میں اپنی ایک کتاب کی طباعت

کے سلسلے میں آپ دہلی تشریف لے گئے، وہیں آپ کی ملاقات ڈاکٹر وزیر خاں سے ہوگئی وہ آگرہ میں رہتے تھے اور سرکاری ملازم تھے، وہ انگلینڈ سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے انگریزی زبان کے ساتھ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے، مشہور یورپین پادری پی فنڈر چونکہ آگرہ میں رہتا تھا اور آگرہ عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا اسلئے وہ عیسائیوں کی سرگرمیوں سے خوب واقف تھے اور ایک سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے حالات دیکھ کر سخت ذہنی کوفت اور قلبی اذیت میں مبتلا تھے لیکن سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے کچھ کرنے کیلئے نہ ان کو موقعہ ملتا تھا اور نہ تمام اسلامی علوم وفنون پر ایک عالم دین کی طرح وسیع اور گہری نظر تھی، البتہ انگریزی داں ہونے کی وجہ سے انگریزی میں شائع ہونے والے مسیحی لٹریچر سے خوب واقف تھے، عہد عتیق اور عہد جدید اور عام انجیلوں کا بہت غائر مطالعہ کر چکے تھے اور ان کی تحریفات اور تغیر وتبدل سے بھی واقف تھے جو بعد کی انجیلوں میں موجود ہیں۔

مولانا کیرانوی آگرہ میں: مولانا کیرانوی ڈاکٹر وزیر خاں سے تعارف تھا، اسلئے دہلی میں ملاقات کے وقت انھوں نے مولانا کو آگرہ چلنے کی دعوت دی، کتاب پریس میں دے کر آپ ان کے ہمراہ آگرہ چلے گئے صوبہ آگرہ واودھ کیلئے جو ممتاز اور سربرآوردہ مسیحی مبلغین اور پادری ان سب کا قیام آگرہ ہی میں تھا، وہیں سے وہ پورے صوبے میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے آگرہ شہر پر ان کا رعب چھایا ہوا تھا، حالانکہ شہر میں علمائے اسلام کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی طرف سے کوئی سرگرمی ظہور میں نہیں آئی تھی، ڈاکٹر صاحب اس جمود کو توڑنا چاہتے تھے، اسلئے وہ مولانا کیرانوی کو اصرار کر کے آگرہ لے گئے۔

آگرہ پہونچنے کے بعد آپ کی آمد کی خبر سن کر شہر کے سربرآوردہ علماء آپ سے ملاقات کیلئے آئے اور شہر پر عیسائیوں کے اثرات کا ذکر کیا، آگرہ میں کچھ ایسے بھی

مسلمان مولانا کیرانوی سے ملے جن کے دلوں میں عیسائیت کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا انھوں نے برملا مولانا کیرانوی سے اس کا اظہار بھی کیا جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب "ازالۃ الشکوک" کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے۔

حریف کی طاقت کا جائزہ: آگرہ جانے سے پہلے دہلی میں مولانا کیرانوی کی ملاقات ماسٹر رام چندر عیسائی سے ہوئی تھی یہ چند ہندوؤں میں سب سے پہلے پُر جوش عیسائی ہو چکا تھا مولانا کیرانوی سے اس کا تعارف تھا اس نے مولانا کیرانوی سے کہا تھا کہ آپ آگرہ جا رہے ہیں تو پادری فنڈر سے ضرور ملئے گا، ماسٹر رام چندر اس کی علمیت سے انتہائی مرعوب تھا۔

مولانا کیرانوی جنوری ۱۸۵۴ء میں آگرہ گئے تھے، آگرہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ پادریوں کا سرخیل فنڈر آگرہ میں اس وقت نہیں ہے، ڈاکٹر وزیر خاں سے صلاح ومشورہ کے بعد طے کیا گیا کہ یہاں موجود چند ممتاز اور بڑے پادریوں سے ملاقات کی جائے، مولانا کیرانوی کا اس ملاقات سے مقصد یہ تھا کہ اندازہ لگایا جائے کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے؟ مذہب عیسویت کے برحق ہونے کے ان کے پاس کیا دلائل ہیں، اسلامی علوم وفنون سے ان کی کتنی واقفیت ہے، ان کا انداز گفتگو کیا ہے، یعنی حریف کی طاقت اور اس کے داؤ پیچ کا صحیح اندازہ کیا جائے اور ان کی حکمت عملی سے بھی واقفیت حاصل کی جائے تا کہ مستقبل میں اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آ جائے تو ہمارا مطالعہ اتنا مکمل ہو اور بھرپور ہو کہ ان کے فرار کے سارے راستے بند کر دئے جائیں، پادری فنڈر کے چیلنج کو قبول کرنے سے پہلے جائزہ مولانا کیرانوی کی دوراندیشی اور کمال تدبر کی دلیل ہے اس لئے پادریوں سے یہ ملاقات سرسری بلا کسی بحث ومباحثہ کے ارادہ کی تھی۔

آگرہ کے پادریوں سے ملاقات: مولانا کیرانوی ڈاکٹر وزیر خاں کو

لے کر عیسائیوں کے مشن تشریف لے گئے جہاں کئی مشہور اور بڑے پادری اقامت پذیر تھے اور پورے صوبے میں عیسائی مشنریوں کی کمان کر رہے تھے، انھیں سرگرم سربرآوردہ پادریوں میں پادری فرنچ اور پادری کٹی بھی تھے، پادری فنڈر ان دونوں سے ہمیشہ صلاح ومشورہ کرتا رہتا تھا، مولانا کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں نے ان پادریوں کی رہائش گاہ پر پہونچ کر ان سے ملاقات کی، چونکہ کسی قسم کی بحث اور کسی مسئلہ کے چھیڑنے کا ارادہ نہیں تھا اور نہ اس کی تیاری کی تھی، صرف سرسری ملاقات اور تعارف مدنظر تھا اسلئے ان دونوں حضرات نے نہ ان سے کوئی سوال کیا اور نہ ہی اپنی طرف سے کسی مذہبی گفتگو کا آغاز کیا، مگر جوش وجذبہ سے بھرے ہوئے ہمہ دانی کی غلط فہمی میں مبتلا اور اپنے علم پر مغرور پادریوں نے خود ہی متنازع فیہ مسائل چھیڑ کر گفتگو کا رخ بدل دیا، جبکہ ان دونوں حضرات نے اس بارے میں ابھی کچھ سوچا بھی نہیں تھا، پادری کٹی نے پادری فرنچ سے انگریزی میں کہا کہ مولانا سے ذرا پوچھئے کہ یہ حضرات توریت وانجیل میں تحریف کا دعویٰ کس بنیاد پر کرتے ہیں، پادری فرنچ نے فوراً ہی مولانا کیرانوی سے سوال کردیا، ڈاکٹر وزیر خاں نے مولانا کیرانوی کے جواب دینے سے پہلے ہی پادری فرنچ کے جواب میں کہا کہ ایک بند کمرے میں بیٹھ کر کسی اہم ترین علمی بحث کا آغاز کریں اور دماغ سوزی کریں جس کو نہ کوئی سننے والا ہے اور نہ کوئی جاننے والا ہے، اس سے کیا فائدہ؟ اگر مباحثہ ومناظرہ ہی کرنا ہے تو اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں، ہم پہلے اس کی تفصیلات طے کرلیں تب اس کے بعد گفتگو کا آغاز کریں۔

نوک جھونک: لیکن پادریوں کے جذبات تو ابلے پڑ رہے تھے، برسوں علی الاعلان تمام علماء اسلام کو چیلنج کرتے آرہے ہیں اور آج تک علماء اسلام کی طرف سے اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا نہ اس کی غیرت وحمیت بیدار ہوئی، اسلئے فطری طور پر ان میں غرور وپندار پیدا ہوچکا تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہماری مدلل اور عالمانہ گفتگو کے جواب

باب (۵)

پادری فنڈر سے خط و کتابت

آگرہ کا پہلا سفر اتفاقیہ تھا، دہلی میں ڈاکٹر وزیر خاں نے آپ کو آگرہ چلنے کی دعوت دی تھی جبکہ آپ اپنی ایک کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں دہلی تشریف لے گئے تھے کتاب پریس میں دے کر آپ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آگرہ تشریف لے گئے اور پادری فرنچ اور پادری کٹی سے ملاقات ہوئی لیکن اس مختصر سی ملاقات نے مولانا کیرانوی کی راہ کی مشکلات کو ذہن وفکر میں بہت ہلکا کر دیا، پادریوں سے مجمع عام میں مناظرہ کرنے میں جو متوقع خطرات تھے وہ تو اپنی جگہ رہے لیکن مولانا کیرانوی کی نگاہ میں اب ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی، آگرہ پہونچ کر وہاں کے علماء اور عوام وخواص سے مل کر آپ نے یہ بھی اندازہ لگالیا کہ تبلیغ عیسائیت کا فتنہ ایک خطرناک مستقبل کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے اگر اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھا گیا تو پورے ملک کو بہا لے جائے گا اور خدا کے یہاں ہم مواخذہ سے نہیں بچ سکیں گے کیوں کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی لو اس طرح جھلملاتی نظر آئی کہ جیسے کوئی معمولی جھونکا بھی اس ٹمٹماتی ہوئی شمع کو بجھا سکتا ہے اس تصور نے مولانا کیرانوی کو بے چین کر دیا اور آپ نے آگرہ ہی میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس سیلابِ بلا کو روکنا وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے اگر میری لاش ہی اس سیلاب کو روک سکتی ہے تو وہ بھی اس راہ میں کام آجائے تو میں اسے اپنی سعادت سمجھوں گا آگرہ کے اس سفر سے حریف کی طاقت کا بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ کن مسائل کو چھیڑ سکتے ہیں، مذہب عیسوی اور انجیل کے سلسلہ

میں ہمارے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات کس طرح اور کن مآخذ سے دیتے ہیں اور پھر اس سلسلہ میں ان کا مبلغ علم کیا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ پادریوں سے بحث ومباحثہ میں انھیں کی کتابوں سے ان پر اعتراضات ہی سب سے مفید طریقہ بحث ہے کیوں کہ ان کو تسلیم کرنے سے وہ کسی حال میں انکار نہیں کر سکتے اسلئے مذہب عیسوی کی قدیم کتابوں، عہد قدیم وجدید کے بارے میں بنیادی معلومات، ان کتابوں کے شارحین ومفسرین کے خیالات واختلافات اور خود عیسائیوں کے فرقوں میں مابہ النزاع مسائل کیا ہیں، ہر فریق دوسرے فریق پر کیا لزامات عائد کرتا ہے اوران کے اعتراضات کیا ہیں؟ کیوں کہ ایک فریق دوسرے فریق کو گمراہ کہتا ہے تو وہ کیا الزام عائد کرتا ہے پھر توریت وانجیل کے اصل نسخوں کے سلسلہ میں ان کے اسلاف کی کیا رائیں ہیں اور اس کے کن کن جزوں کی صداقت پر اظہار اطمینان نہیں کرتے اور کن اجزاء کو جھوٹ اور الحاقی کہتے ہیں جب تک یہ معلومات وسیع تر مطالعہ سے فراہم نہ کرلی جائیں پادریوں کی زبان کو لگام نہیں دی جاسکتی، مولانا کیرانوی نے آگرہ سے واپسی کے بعد تین مہینے بھرپور عیسائی لٹریچر کے مطالعہ میں صرف کئے اور عیسائیت اور کلیسا کی پوری تاریخ کا اتنا مکمل مطالعہ کیا کہ ان کے بڑے سے بڑے عالم کا بھی مطالعہ شاید اتنا وسیع نہ رہا ہو، اب وہ ہر طرح مطمئن اور پورے اعتماد کے ساتھ عیسائیت کے تیز رَو دھارے میں کود پڑنے کیلئے تیار ہوگئے اور آپ نے عزم بالجزم کرلیا، ہرچہ باداباد ما کشتی درآب انداختیم، مولانا کیرانوی جنوری میں آگرہ گئے تھے دوتین دنوں کے بعد واپس آگئے تھے اس وقت وہاں کے اکابر علماء اور سربرآوردہ مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ پادریوں سے مجمع عام میں مناظرہ ضروری ہے تاکہ پادریوں کی یکطرفہ تقریروں سے مسلمانوں میں تذبذب اور شک وارتیاب کا جوزہر پھیل رہا ہے اس کا سدباب ہوجائے اس وقت تو آپ نے ان کو یہی

ہے کہ سب سے پہلے اسی مسئلہ پر گفتگو ضروری ہے، راقم الحروف بھی آپ کی رائے سے سو فیصد متفق ہے اور اس کی تائید کرتا ہے اور بڑی خوشدلی کیساتھ اس بات پر تیار ہے کہ پہلے انھیں دونوں مسئلوں پر گفتگو کی جائے ، ان دونوں مسئلوں پر سیر حاصل گفتگو کے بعد پھر اور دوسرے مسائل پر گفتگو ہو جو فریقین متفقہ طور پر آپس میں طے کرلیں ، اگر جناب عالی کو میری یہ درخواست منظور ہے تو از راہ کرم ہمارے اور آپ کے درمیان بحث و مباحثہ کیلئے کوئی بھی تاریخ اور مقام متعین فرمادیں اور مجھے مطلع فرماویں کہ میں آگرہ میں قیام پذیر رہوں اور وقت پر حاضر ہو جاؤں اور اس سے فارغ ہو کر دہلی واپس جاؤں، اس لئے کہ اس شہر میں میرا اور کوئی دوسرا کام نہیں ہے، میں امید کرتا ہوں کہ منظوری یا نامنظوری سے مطلع فرمائیں گے۔

میں نے دہلی میں اپنی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی امید ہے کہ آپ کو مل گئی ہوگی اور میرا غالب گمان ہے کہ میرا دوسرا رسالہ ''احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث'' بھی آپ کو مل گیا ہوگا ، میری تیسری کتاب ''اعجاز عیسوی'' جس کی ترتیب سے میں انھیں دنوں فارغ ہوا ہوں، عنقریب آپ کی خدمت میں پیش کروں گا اس کتاب میں میں نے آپ کی کتاب ''میزان الحق'' کے باب اول کی تیسری فصل کو مکمل کر کے اس کے ایک ایک جملہ کا جواب دیا ہے، اس کے بعد انشاء اللہ ایک اور کتاب ''ازالۃ الشکوک'' بھی جلد ہی آپ کو پہونچے گی جس میں کراچی کے نئے عیسائی ہونے والے ایک ہندوستانی پادری کے سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں، عرصہ ہوا کتاب مرتب ہو چکی ہے لیکن آگرہ آجانے کی وجہ سے اس کی طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے میں جوں ہی یہاں سے

دہلی لوٹوں گا وہ کتاب طبع ہو جائے گی۔

میرے ایک دوست نے آپ کی کتاب ''حل الاشکال'' کا جواب ''الاستشہاد'' کے نام سے لکھا ہے وہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا ،آپ کی کتاب ''میزان الحق'' کے جواب میں میں نے ایک کتاب ''معدل اعوجاج المیزان'' کے نام سے لکھی ہے وہ عنقریب طبع ہو جائے گی اور آپ کے پاس پہونچے گی ،ھدانا اللہ عبادہ اجمعین الیٰ معرفۃ الحق ووفقنا للسلوک علی الطریق المستقیم وخلصنا من التعقب والامور المضرۃ للآخرۃ آمین (۱)

رحمت اللہ

مولانا کیرانوی کا یہ خط بہت طویل نظر آرہا ہے جبکہ یہ موقع مختصر خط کا تھا لیکن یہ آپ کی دانشمندی اور انسانی نفسیات سے آگاہی کا بہت بڑا ثبوت ہے اس لئے یہ طویل خط ہی ضروری تھا، پادری فنڈر انتہائی مغرور ،لفاظ، چرب زبان، انانیت پسند اور تعلّی آمیز گفتگو کا رسیا اور اپنے علمی تفوق وکمال کا مظاہرہ کرنے والا اور اپنی کتاب کو الہام کا رتبہ دینے والا متکبر انسان تھا چونکہ اس کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اس لئے اس کے غرور وپندار کا پارہ بہت اونچا چڑھا ہوا تھا، ضرورت تھی اس کو نارمل سطح پر لایا جائے اس لئے مولانا کیرانوی نے اپنے پہلے خط میں اپنی متعدد کتابوں کا ذکر کر کے یہ بتادیا کہ علماء اسلام آپ کے علمی مقام ومرتبہ اور آپ کے فرضی الہام کے دعوے کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں اور آپ کی ساری لن ترانیوں کے منہ میں لگام دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، خود مکتوب نگار نے مسلسل آپ کے مزعومات کے خلاف کتابیں

---

(۱) فریقین کے خطوط کا مجموعہ ''مراسلات مذہبی'' کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوا تھا، ہم نے یہ خطوط ''المناظرۃ الکبریٰ'' مولفہ ڈاکٹر عبدالقادر حنبل سے لیا ہے، اسیر ادروی

بعد مجلس مناظرہ منعقد ہوگی ، بہتر یہ ہوگا کہ مجلس مناظرہ میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے ، اول یہ کہ موضوع مناظرہ، جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے نسخ وتحریف ہو، دوسرے یہ کہ ان مسائل پر بھی بحث ہو جن کو طرفین منتخب کریں، تیسرے یہ کہ دوران مناظرہ کوئی غیر متعلق مسئلہ ہرگز نہ چھیڑا جائے ، چوتھے یہ کہ مجلس مناظرہ میں ایک ثالث یا حکم ہونا چاہیے تا کہ مجلس مناظرہ کو باقاعدگی کے ساتھ چلائے۔

پی۔فنڈر

پادری فنڈر کا خط پا کر مولانا کیرانوی کو خوشی ہوئی کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی ، اور پادری فنڈر مناظرہ کے لئے تیار ہو گیا اور جب مجلس مناظرہ کا انعقاد طے ہو گیا تو آپ نے چند پیش بندیاں ضروری سمجھیں کیونکہ پادری فنڈر کی پشت پر حاکمان وقت ہوں گے اور وہ اپنے حاکمانہ اقتدار کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں اور مسلمان اس درجہ احساس کمتری میں مبتلا کیا جا چکا ہے کہ انگریز حکام کی بیجا مداخلت کے خلاف طاقتور آواز میں احتجاج کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا، عیسائیت کے مقابلہ میں آنے والے اہل علم پر حاکمانہ رعب ڈال کر خاموش بھی کر سکتے ہیں اور پھر اس کے بعد افواہ پھیلا دی جائے گی کہ مسلمان لاجواب ہو کر مجلس مناظرہ سے فرار اختیار کر گیا، یہ اسلام اور مسلمانوں کی بڑی رسوائی کی بات ہوگی، اسلئے آپ نے فوراً دوسرا خط پادری فنڈر کے نام تحریر فرمایا۔

مولانا کیرانوی کا دوسرا خط: مولانا کیرانوی نے فنڈر کا خط ملنے کے دوسرے دن جواب تحریر فرمایا۔

۲۴ر مارچ ۱۸۵۴ء

آپ کا گرامی نامہ ملا، مجمع عام میں مناظرہ کرنے پر آپ نے آمادگی ظاہر

تھے تو سامعین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور بلا جھجک لن پر طنز کرتے تھے جیسا کہ شاہجہانپور کے میلہ خدا شناسی میں حضرت نانوتوی اور پادریوں کے مناظرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا رہا۔

مولانا کیرانوی جس دور میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیلئے کھڑے ہوئے اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی جابر و قاہر حکومت تھی اور عیسائیت کی تبلیغ میں جبر و تشدد کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی، پادریوں کی حمایت میں ذمہ داران حکومت بڑے بڑے عہدوں پر فائز انگریز اور ضلع کے تمام حکام تھے جس طرح کسی انگریز حاکم کے سامنے کسی ہندوستانی کی جرأت نہیں تھی کہ کوئی ایسی بات کرے جو اس کی شایان شان نہ ہو، بالکل اسی طرح پادریوں کا بھی رعب و دبدبہ تھا کسی کو جرأت نہیں تھی کہ ان کی شان میں کوئی گستاخانہ جملہ استعمال کرے یا بالمشافہہ گفتگو میں کوئی تیز و تند لب و لہجہ اختیار کرے اور پھر مولانا کیرانوی کا حریف تو یورپ کا مایہ ناز اسقف اعظم، ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کا سب سے بڑا نمائندہ اور ذمہ دار تھا جس کی شہرت یورپ سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھی، اس کی صلاحیت و استعداد، اس کی علمی قابلیت اور اس کے علم و کمال کا پورے یورپ میں ڈنکا بج رہا تھا، حکومت کا بڑا سے بڑا عہدے دار پادری فنڈر کا ادب و احترام کرتا تھا اور اس کو ہر ممکن تعاون دینے کیلئے ہمہ وقت تیار تھا، اسی وجہ سے ہندوستان میں بلا استثناء ہر شخص کو یقین تھا کہ پادری فنڈر کی زبان میں کمپنی کا ظالم و جابر حکومت بول رہی ہے، پادری فنڈر کو چیلنج کرنا گویا کمپنی کی حکموت کو چیلنج کرنا ہے، جس کی حکومت نے ہندوستان کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو یرغمال بنا رکھا تھا اور لال قلعہ کے پنجرہ میں بند کر کے رکھا تھا، لال قلعہ سے باہر اس کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی، ایسی حکومت کو چیلنج کرنا کیا کچھ آسان تھا، اس کیلئے فولاد کا جگر اور سنگ خارا کا کلیجہ چاہئے تھا اتنے بڑے ہندوستان میں جہاں ایسے مشاہیر علماء تھے جن کی علم و فن

میں مہارت ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھی، جن کے فضل وکمال کا پورے ملک میں شہرہ تھا ،جن کی دینداری، اسلام دوستی ان کے ایمان واخلاص میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں تھی وہ تمام علماء تبلیغ عیسائیت میں کمپنی کی حکومت کے جبر وقہر کو دیکھ رہے تھے، لاکھوں لاکھ ہندوستانی عیسائی بنائے جاچکے تھے، کئی ایک مسلمان اہل علم نے عیسائیت قبول کرلی تھی اور باقاعدہ پادری بن کر عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے اور یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ یہ کالے پادری اسلام کے خلاف زہر اگل رہے تھے، یہ سارے حالات علماء ہند کے سامنے موجود تھے، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن آدھی صدی بیت جانے کے باوجود ایک آواز بھی عیسائیت کی اس جبری تبلیغ کے خلاف سنائی نہیں دیتی تھی سوائے ان چند رسالوں کے جو ہندوستانی کالے پادریوں کی کاتبوں کے جواب میں لکھے گئے اور کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی، خاکم بدہن کیا ان علماء کے دلوں میں ایمان نہیں تھا؟ اسلام سے محبت نہیں تھی؟ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے عشق نہیں تھا؟ یقیناً تھا، وہ سچے اور پکے مسلمان تھے، وہ تنہائیوں میں اسلام کی مظلومیت پر آنسو بہاتے تھے، خون کے آنسو روتے تھے، یہ صورت حال ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی لیکن خوف وہراس کا وہ عالم تھا کہ دل سینوں میں تھرتھرا رہا تھا، زبان منہ میں لڑکھڑا رہی تھی، آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی وہ محسوس کررہے تھے کہ تبلیغ عیسائیت حکومت کے منصوبہ بند پروگرام کے مطابق ہورہی ہے ان کو یقین تھا کہ اگر حکومت کو ذرا بھی شبہہ ہوگیا کہ کوئی شخص حکومت کے منصوبے کو سبوتاژ کرنے والا ہے یا اس کو ناکام کرنے کی سازش کررہا ہے تو تختہ دار پر کسی نہ کسی بہانے پہونچا دیا جائے گا، صورت حال یہ تھی کہ رخصت پر عمل کرنے والے بہت تھے، عزیمت کا کوئی آہنی پیکر نظر نہیں آرہا تھا، وہ ذات تنہا مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تھی، جس مناظرہ کی شہرت ہندوستان سے لے کر لندن تک تھی، ہندوستان کی پوری حکومت اور

ہندوستان کے عام باشندوں کی نگاہیں جس مناظرہ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں، اس مناظرہ میں سامعین کی تعداد صرف پانچ سو تھی جس میں ایک سو کے قریب تو انگریز افسران، یورپین پادری اور مقامی عیسائی اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد تھے، مختصر تعداد ان ہندوؤں کی تھی جو بالعموم سرکاری ملازم تھے، مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی کہ ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا تھا اور اخبار نویسوں نے گن بھی لیا تھا، کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے؟ تاریخ کے ایسی نازک ترین موڑ پر ہونے والے مناظرہ میں لاکھوں نہ سہی تو دس بیس ہزار بے چین و مضطرب مسلمانوں کا اجتماع ہونا ہی چاہیے تھا لیکن اس دور میں اس مناظرہ کی جو رپورٹیں شائع ہوئیں ان میں نام بنام حاضرین کو شمار کرایا گیا ہے، یہ تعداد دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے، خود آگرہ شہر میں مسلمانوں کی تعداد کیا کم تھی، لیکن چند علماء، ائمہ مساجد، چند ممتاز اور سربرآوردہ افراد کے اور کسی کا نام حاضرین میں نہیں ملتا، کیا عوام کو اس سے دلچسپی نہیں تھی، کیا تماشائی کی حیثیت سے بھی وہ شریک نہیں ہوسکتے تھے؟ کیا اسلام کی عیسائیت کے مقابلہ میں فتح سے عام مسلمانوں کو خوشی نہیں ہوتی؟ یہ سب کچھ تھا لیکن انگریزی حکومت کی وہ دہشت دل ودماغ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ لوگوں نے سمجھا کہ مجلس مناظرہ میں جانا مقتل میں جانا ہے، حاضرین کی فہرست میں نام لکھا جانا گویا اپنے قتل کے محضر پر دستخط کرنا ہے، مولانا کیرانوی اس سے پہلے بھی آگرہ جاچکے تھے وہاں کے اہل علم سے مل چکے تھے، اور اب کی بار تو وہ دو ہفتوں سے آگرہ میں مقیم تھے لیکن مولانا کیرانوی کے ہمراہ مناظرہ گاہ میں جانے والے صرف چند افراد تھے۔(۱)

مناظرہ گاہ کا نظم سرکاری افسران کی نگرانی میں تھا، سیکورٹی کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام تھا کیوں کہ افسران بالا اور معزز انگریزوں کی حفاظت کا مسئلہ بہت اہم اور

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

باب (۷)

مناظرہ کا پہلا اجلاس

پادری فنڈر کی مقرر کردہ تاریخ کے مطابق مناظرہ کا پہلا اجلاس مورخہ ۱۱/ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۱۸۵۴ء بروز دوشنبہ منعقد ہوا، دو ہفتوں سے مناظرہ کے سلسلہ میں شہر آگرہ میں گفتگو چل رہی تھی، ہر شخص بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کررہا تھا لیکن اتنی شہرت کے باوجود مجلس مناظرہ میں حاضرین کی تعداد کل ۵۰۰/ سو کے قریب تھی، مولانا کیرانوی وقت مقررہ پر ڈاکٹر وزیر خاں کو لے کر کٹڑہ عبد المسیح پہونچ گئے، شہر کے معززین میں مفتی ریاض الدین صاحب، مولانا قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ، اخبار نویسوں میں سید عبد اللہ اکبر آبادی، سید وزیر الدین، خادم علی مالک و مدیر مطلع الاخبار اور محمد سراج الحق، کچھ معزز مسلمان وہ تھے جو سرکاری ملازم تھے جیسے مولوی مفیض احمد، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ مختار مہاراجہ بنارس وغیرہ، عام مسلمانوں میں سے کچھ دیندار مسلمان تھے، انگریز افسران ممتاز ترین اور سربرآوردہ حکام تھے، یورپین پادریوں کی ایک پوری ٹیم تھی، فوجی افسران بھی تھے اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیدار بھی، ہندوؤں میں سے کچھ معزز افراد تھے لیکن ان میں اکثر انگریزی حکومت کے ملازم تھے، وہ سب خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے کسی میں بھی لب کشائی کی ہمت نہ تھی نہ ان کو ضرورت ہی تھی، البتہ ایک دو علماء اسلام ضرور ایسے تھے کہ جب بولنے کا موقعہ آیا تو انھوں نے پوری جرأت ایمانی سے گفتگو کی، وقت مقررہ پر جب دونوں فریق اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے تو سب سے